قضا کے احکام پر ڈی این اے ٹیسٹ کے اثرات

مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

موجودہ دور میں جدید سائنسی معلومات اور اکتشافات نے علم و تحقیق کے نئے دروازے کھولے اور بہت سارے معاملات و مسائل میں انسان کی پریشانیاں دور ہوئیں، قرائن، قیافہ شناسوں کی مدد اور قیاس کی مدد سے جن حقائق تک پہلے پہنچنے کی کوشش کی جاتی تھیں، سائنسی تحقیقات کے نتیجے میں واضح اور صحیح معلومات سامنے آنے لگیں اور انسان کے لئے ممکن ہو گیا کہ وہ ان تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر بہت سارے مسائل حل کر سکے۔

انہیں تحقیقات میں سے ایک اس مادہ کی جانچ ہے جو موروثی خصائل کو اپنے اندر سموئے ہوتا ہے، یہ مادہ کیمیاوی اعتبار سے ڈی این اے (Deoxy Ribonuclec Acid) کہلاتا ہے، موروثی خصائل کے حامل اس مادہ کے جانچ کے نتائج بہت سارے معاملات میں فیصلہ کن ہو سکتے ہیں۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اس موضوع پر اہل علم کو سوالنامہ ارسال کیا جس میں اس موضوع پر پہلا سوال یہ تھا کہ اگر ایک بچہ کے سلسلے میں کئی شخص دعویدار ہوں کہ یہ میرا لڑکا ہے تو سائنس دانوں کے خیال کے مطابق بچہ اور ان کے دعویداروں کا ڈی این اے ٹیسٹ کر کے یہ بات معلوم کی جا سکتی ہے کہ حقیقی معنوں میں اس کے والدین کون ہیں، ایسے اختلاف کو حل کرنے کے لئے کیا ڈی این اے ٹیسٹ کرایا جا سکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں بیش تر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جس بچے کا نسب فراش، یا بینہ کی بنیاد پر ثابت نہ ہو، اس کے حق میں اس ٹیسٹ کا اعتبار ثبوت نسب کے لئے کیا جائے گا ان حضرات نے جو دلائل دیئے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ثبوت نسب میں قرینہ اور قیافہ تک کا اعتبار کیا گیا ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت اسامہؓ اور زیدؓ کے سلسلے میں قائف کے جملہ ''ان ھذہ الاقدام بعضھا من بعض'' ، (صحیح بخاری ۱۲/۵۶، صحیح مسلم ۲/۱۰۸۲) پر حضور ﷺ کا اظہار مسرت منقول ہے، ڈی این اے ٹیسٹ کی حیثیت اپنے نتائج اور علم کے اعتبار سے قیافہ سے زیادہ واضح، صحیح اور یقینی ہے۔

۲۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب کوئی مسلمان زمانہ جاہلیت کی اولاد کے بارے میں دعویٰ کرتا تو قیافہ شناس کو طلب کرتے اور اس کے قول پر صحابہ کرام کی موجودگی میں فیصلہ فرماتے۔

۳۔ اس ٹیسٹ سے یقین کی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ ڈی این اے ٹیسٹ ایک مضبوط قرینہ ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے: **القضا بالقرائن اصل من اصول الشرع** (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/۶۴۴)

اس موضوع پر منعقد فقہی سمینار مکۃ المکرمہ کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے، اس سے بھی ڈی این اے ٹیسٹ سے ثبوت نسب کا پتہ چلتا ہے:

''ان یدعی اکثر من شخص نسب ولد مجھول النسب او اللقیط حیث یمکن الاستفادۃ من البصمۃ الوراثیۃ لاثبات نسبہ لاحدھم بل ان ما تشبہ حجۃ مقبولۃ ملزمۃ اذا توافرت الشروط المطلوبۃ لذلک''

بعض حضرات نے ڈی این اے ٹیسٹ کے معتبر ہونے کے لئے کچھ شرائط کا بھی ذکر کیا ہے، مولانا اختر امام عادل نے لکھا ہے: اس ٹیسٹ میں ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے جن کا تذکرہ فقہاء نے قیافہ کے تحت کیا ہے، ڈاکٹر ظفر الاسلام کی رائے ہے کہ صرف ایک ڈی این اے پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ کئی لوگ جو ماہر اور کہنہ مشق ہوں الگ الگ یہ ٹیسٹ کریں۔ ثناء الہدیٰ قاسمی نے لکھا ہے: جس طرح دیگر مسائل شرعیہ میں طبیب حاذق اور مسلم عادل کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے، اسی طرح جانچ کا نتیجہ ایک ہوتب ثبوت نسب کا فیصلہ کیا جائے گا، مولانا نعیم اختر قاسمی نے لکھا ہے کہ ٹیسٹ میں بینہ کے شرائط کا خیال رکھا گیا ہوتب معتبر ہوگا۔

مفتی محبوب علی وجیہی نے تحریر کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں ڈی این اے ٹیسٹ معتبر ہوگا کیونکہ وہ قیافہ کے ذریعہ ثبوت نسب کے قائل ہیں، امام اعظمؒ چونکہ قیافہ سے ثبوت نسب کے قائل نہیں، اس لئے ان کے نزدیک ڈی این اے ٹیسٹ معتبر نہیں ہوگا، تنہا مولانا برہان الدین سنبھلی نے اسے لغو کام قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس ٹیسٹ سے نسب ثابت نہیں ہوگا، چونکہ نسب کا شریعت میں اصول مقرر ہے: **''الولد للفراش وللعاھر الحجر''**۔

اس سلسلہ کا دوسرا سوال یہ تھا کہ آج کل قاتل کی شناخت کے لئے بھی ڈی این اے ٹیسٹ کرایا جاتا ہے، اگر جائے قتل کے پاس قاتل کی کوئی چیز مل جائے جیسے بال، یا خون وغیرہ تو اس کے ٹیسٹ سے قاتل کی شناخت کی جاتی ہے، لیکن یہ تکنیک ابھی اس درجہ کمال کو نہیں پہنچی ہے کہ معلوم ہو سکے کہ جو

فارنسک نمونہ (Forrensic Sample) جائے واردات سے اٹھایا گیا تھا، وہ اسی ملزم کا ہے، کیا ایسی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ کی بنیاد پر کسی کو قاتل قرار دینا درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ ڈی این اے ٹیسٹ حدود وقصاص کے لئے مفید نہیں ہے، اس لئے کہ حدود وقصاص شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں:

ادراوا الحدود بالشبهات، ادراوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطى فى العفو خير من ان يخطى فى العقوبة۔ (رواہ الترمذی، مشکوۃ، ۲/۳۱۱)

مولانا عبدالودود نے ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے:

"فى سائر الحدود الاخرى والقصاص اتفق الجمهور على انها تثبت برجلين لقوله تعالى "واستشهدوا شهيدين من رجالكم ولا تقبل شهادة النساء ولا مع رجل ولا مفردات (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۵۷۱)

اس سلسلے میں انہوں نے ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی اس عبارت کا بھی حوالہ دیا ہے:

ولا يحكم عند جمهور الفقهاء بالقرائن فى الحدود لانها تدرا بالشبهات ولا فى القصاص الا فى القسامة للاحتياط فى موضوع الدماء و ازهاف النفوس۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۶۴۵)

ڈاکٹر ظفر الاسلام نے "الموسوعۃ الفقہیہ" کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے:

و ايضافى اجماع فقهاء الامصار على ان الحدود تدرا بالشبهات كفاية ولذا قال بعض الفقهاء: هذا الحديث متفق على العمل به و ايضا تلقته الامة بالقبول۔ (۲۴/۱۵)

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی نے لکھا ہے کہ بینہ کے بغیر سزا نہیں دی جاسکتی، یہی رائے مفتی عبدالرحیم قاسمی اور قاضی عبدالجلیل قاسمی کی بھی ہے، سوال کے اس اہم جز پر کہ اس ٹیسٹ کی بنیاد پر کسی کو قاتل قرار دینا درست ہوگا، علماء کی آراء مختلف ہیں۔ بیش تر حضرات نے لکھا ہے کہ قاتل قرار دینا درست نہیں ہوگا۔ مولانا اختر امام عادل نے لکھا ہے کہ: ایسے مقدمات جن میں حدود وقصاص نہیں ہے اس کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ اس ٹیسٹ کے ذریعہ کسی کے خلاف فرد جرم عائد نہیں کی جاسکتی۔ ہاں یہ بات ہوسکتی ہے کہ قاضی

ٹیسٹ کی بنیاد پر متہم شخص سے اقرار کروانے کی کوشش کرے اور اقرار کے بعد اسے بنیاد بنا کر کاروائی کرے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے لکھا ہے: قاتل قرار دینا درست ہوگا جبکہ ظن غالب ہو، دلیل میں انہوں نے دو حدیثیں (مشکوۃ ،۲/ ۲۰۶ ـ ۳۰۷) پیش کی ہیں جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر مقتول بستی کے آس پاس ملا ہو تو بستی کے پچاس لوگوں سے قسم لی جائے گی اور اگر یہ مفید مطلب نہ ہو تو ڈی این اے ٹیسٹ کی تکنیک اپنائی جائے گی کیونکہ شریعت اس سے انکار نہیں کرتی اور اس سے جرم کا سدباب بھی ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی نے لکھا ہے: اس سے شناختِ جرم میں استفادہ کیا جاسکتا ہے، ثناء الہدیٰ قاسمی کی رائے ہے کہ یہ ٹیسٹ نہ تو بینہ قاطعہ ہے اور نہ ثبوت متنقل، اس لئے قاضی اس جانچ سے مدد لے سکتا ہے، تنہا اس کی بنیاد پر مجرم قرار دینا درست نہیں ہوگا، مولانا محی الدین غازی نے لکھا ہے کہ اس ٹیسٹ کے ذریعہ گواہی کے نقص کو مکمل کیا جاسکتا ہے۔

سوالنامہ کا تیسرا سوال دوشق پر مشتمل تھا، جن میں ایک زنا کے ثبوت میں ڈی این اے ٹیسٹ کی شرعی حیثیت پر تھا کہ اگر اس عورت کے جسم کے مادہ منویہ کا نمونہ حاصل کرلیا جائے تو زانی کی شناخت ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعہ بہ آسانی کی جاسکتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ محض اسی ٹیسٹ کی بنیاد پر حد جاری نہیں ہوگی، دلائل دوسرے سوال کے جواب میں گذر چکے ہیں، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں، علی محی الدین القرہ داغی نے رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی کی اس تجویز کا حوالہ دیا ہے جس میں کہا گیا ہے: حدود وقصاص میں اس ٹیسٹ کا اعتبار نہیں ہے۔ مولانا اختر امام عادل نے لکھا ہے کہ ٹیسٹ سے زنا ثابت ہوجائے تو حد زنا سے فروتر کچھ دوسری تعزیرات کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

بیش تر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ ٹیسٹ ثبوت زنا کے لئے معتبر نہیں ہے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام نے ثبوت زنا میں ڈی این اے کو معتبر مانا ہے جبکہ شہادت، اقرار اور قرائن مفقود ہوں، اور اگر شہادت کا نصاب پورا نہ ہو تو اس ٹیسٹ سے تلافی کی جاسکتی ہے۔

”یثبت الزنا امور ثلثه: بالشهادة والاقرار والقرائن...... فالقرينة المعتبرة في الزنا هي ظهور الحمل في امراة غير متزوجة اولا يعرف لها الزوج“ (الموسوعۃ الفقہیہ ،۲۴/ ۱۳۷ـ۱۳۹)

ٹیسٹ کے ذریعہ گواہی کی تکمیل کی بات مولانا محی الدین غازی نے بھی تحریر کیا ہے۔

از مکافات عمل غافل مشو ☆☆☆ گندم از گندم بروید جوز جو

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے لکھا ہے کہ آج جب کہ زنا کی شہادت نہیں ملتی اور نہ ہی کوئی اقرار کرتا ہے، لہٰذا اس جدید تکنیک کو زنا کے سدباب کیلئے شرعی ثبوت تسلیم کرلیا جائے، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی ثبوت زنا کیلئے اسے معتبر مانتے ہیں۔ اس سوال کا دوسرا جز اجتماعی آبروریزی میں ڈی این اے ٹیسٹ کے اعتبار سے متعلق ہے، چونکہ ایسی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ بذات خود کمزور مانا جاتا ہے، اس لئے بیش تر مقالہ نگاروں نے اسے لغو اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، مولانا محی الدین غازی نے لکھا ہے کہ اجتماعی آبروریزی کی صورت میں اس ٹیسٹ کی حیثیت ایک قرینہ کی ہوگی، جس سے تحقیق وتفتیش کے عمل میں مدد لی جاسکے گی، مولانا سلطان احمد اصلاحی نے بھی اسے ایک قرینہ کے طور پر تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ احتمال کے نقص کو ثبوت جرم کے دیگر قرائن کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس موضوع کے چوتھے اور آخری سوال میں دریافت کیا گیا تھا کہ قاضی اس ٹیسٹ کیلئے ملزم کو مجبور کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں دو قسم کی آراء مذکور ہیں، پہلی یہ کہ مجبور کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ٹیسٹ قانونی مراحل کی تکمیل کیلئے ضروری ہے۔ ثناء الہدیٰ قاسمی نے لکھا ہے کہ ٹیسٹ کیلئے جبر تو کرسکتا ہے لیکن قاضی صرف اس ٹیسٹ کی بنیاد پر جن جرائم میں حدود وقصاص ہیں، فیصلہ نہیں کرسکتا، ان تمام مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ مقدمہ کی تحقیق میں قاضی کو وسیع اختیارات حاصل ہیں، لہٰذا وہ مجبور کرسکتا ہے مولانا اسرار الحق سبیلی نے ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن کی کتاب ''السلطۃ القضائیۃ'' (ص/۱۳۳) کی یہ عبارت نقل کی ہے:

''وھکذا نجد ان الفقه الاسلامی اعطی سلطات کثیرۃ واسعة للقاضی فی تیسیرہ للخصومة''۔

دوسری رائے یہ ہے کہ قاضی ملزم کو اس ٹیسٹ کے لئے مجبور نہیں کرسکتا، کیونکہ قاضی کے فیصلہ کی اصل بنیاد شرعی شہادت ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی نے لکھا ہے کہ فہمائش کے بعد اگر راضی کرایا جاسکتا ہے تو ٹھیک ہے، یہ اقرار کی شکل ہوگی، لیکن جبر واکراہ کی اجازت نہیں ہوگی، مولانا نعیم اختر قاسمی نے لکھا ہے: تعزیرات کے پیش نظر مجبور کیا جاسکتا ہے لیکن حدود کے باب میں کسی ملزم کو مجبور کرنا صحیح نہیں ہے، مولانا ابوسفیان مفتاحی کی رائے ہے کہ قاضی کے فیصلہ پر حاکم مجبور کرسکتا ہے، مولانا عبدالودود نے لکھا ہے کہ یہ ٹیسٹ قرینہ قاطعہ کے حکم میں نہیں ہے، لہٰذا عام حالت میں درست نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

☆ان مع العسر یسرا...... باہر سختی آسانی است☆